ابنِ خلدون

سلمان مسعود

بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ ابنِ خلدون مسلمانوں کا سب سے بڑا مورخ تھا۔ اور اس بات کو بھی آج ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ تاریخ کو علم و فلسفہ کی نظر سے دیکھنے کا فخر سب سے پہلے اس مورخ کو ہوا۔ دوسرے لفظوں میں ابن خلدون فلسفہ تاریخ کا موجد سمجھا جاتا ہے۔ ابن خلدون نے کئی جلدوں میں تاریخ عالم لکھی ہے۔ لیکن اس کی شہرت اس تاریخ سے نہیں بلکہ اس کتاب کے مقدمہ سے ہے۔ ابن خلدون کا مقدمہ تاریخ دنیا کی چند مشہور ترین کتابوں میں سے ہے۔ اور یورپ کی تمام زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں تاریخ پر تنقید کی ہے اور چونکہ تاریخ اس کے نزدیک زندگی سے عبارت ہے، اس لئے اس کی تاریخ پر تنقید گویا زندگی پر تنقید ہے۔ یہ مقدمہ کیا ہے؟ چند الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ آٹھ سو برس تک مسلمانوں نے جو کچھ کیا، کہا اور سوچا۔ ابن خلدون نے اس کتاب میں اس کو جانچا اور پرکھا ہے اس پر تنقید کی ہے۔ الغرض اس طویل زمانے کی ساری سرگرمیوں کا ایک خاکہ مرتب کردیا ہے۔ اور اس پر محاکمہ بھی کیا ہے۔

ابن خلدون اپنا شجرۂ نسب یمنی عربوں سے ملاتا ہے اس کے آباؤ اجداد عربی حملہ آوروں کے ساتھ اسپین پہنچے۔ بعد میں جب عربی حکومت کمزور ہوگئی اور شمال کے عیسائی اسپین کے بعض حصوں پر قابض ہونے لگے تو ابن خلدون کے بزرگ ہجرت کرکے ٹیونس آگئے۔ وہیں ۲۷ مئی سنہ ۱۳۳۲ء مطابق یکم رمضان ۷۳۲ھ میں ابن خلدون پیدا ہوا۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد ابن خلدون نے اپنے زمانہ کا نصاب تعلیم مکمل کیا۔ ٹیونس اس وقت علم و ادب کے باکمالوں

کا مرکز تھا۔ اسپین کی خانہ جنگی اور بدامنی سے تنگ آکر جو عالم بھی نکلتا وہ شمالی افریقہ کا رخ کرتا ابن خلدون کو ٹیونس میں اپنے عہد کے بڑے بڑے علماء سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ موصوف نے اپنی خود نوشتہ سوانحعمری میں ایک ایک استاد کا نام گنایا ہے۔ جن سے اس نے پڑھا۔

ابن خلدون کوئی اٹھارہ سال کا تھا کہ شمالی افریقہ میں طاعون کی وبا آئی۔ اور اس میں ابن خلدون کے والدین اور اس کے وطن کے بڑے بڑے علماء و فضلا انتقال فرما گئے۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ اس صدمہ سے میرا دل ٹوٹ گیا۔ اور میں نے ترک دنیا کا خیال کر لیا۔ لیکن بڑے بھائی کے کہنے سے ابن خلدون نے ٹیونس کے سلطان کی ملازمت قبول کر لی۔ اور وہ سلطان کا مہر بردار مقرر ہو گیا

اس زمانے میں شمالی افریقہ میں کئی حکومتیں تھیں اور ہر حکومت دوسرے سے برسرپیکار رہتی پھر خود حکومتوں کے اندر آئے دن انقلابات ہوتے رہتے تھے۔ ایک بادشاہ بنتا تو اس کے خلاف سازشیں ہوتیں۔ اور جب سازشیں کرنے والے کامیاب ہو جاتے اور اپنی پسند کا بادشاہ مقرر کر لیتے تو اسی دم ایک نئی سازش کھڑی ہو جاتی ہے اور پہلی حکومت کا تختہ الٹنے کی تدبیریں ہونے لگتیں۔ ہر شخص دوسرے کا دشمن تھا۔ ایک دوسرے کے خلاف دن رات منصوبے سوچنا ان کا کام تھا۔ قول و اقرار ہوتے لیکن ان کا کوئی پاس نہ کرتا۔ وعدے کئے جاتے لیکن ایفاء کا کسی کو خیال نہ آتا۔ وزیر بادشاہوں کا زوال چاہتے۔ بادشاہ اپنے وزیروں سے خائف رہتے۔ بیٹا باپ کو تخت سے اتارنے کے لئے سازشیں کرتا۔ بھائی بھائی کے خلاف صف آرا نظر آتا۔ ابن خلدون نے شمالی افریقہ کی اس سیاست میں پورا حصہ لیا۔ وہ سازشوں میں شریک ہوا۔ اس نے وفاداری کی قسمیں کھاکر توڑدیں۔ ایک حکومت سے بھاگ کر وہ دوسری حکومت میں پہنچا۔ وہاں کسی سازش کا پتہ چل گیا تو کسی تیسری حکومت کے ہاں پناہ لی۔ اس نے پارٹیاں بنائیں۔ اور اگر اپنی پارٹی ہارتی دکھائی دی۔ وہ کامیاب پارٹی میں جا شامل ہوا۔ ایک بادشاہ کا معتمد بنا لیکن جب اس بادشاہ کے خلاف منصوبے کئے جانے لگے تو ابن خلدون اس میں پیش پیش تھا۔ الغرض مراکش ہو یا ٹیونس یا الجزائر۔ شمالی افریقہ کی کسی حکومت میں کہیں کوئی انقلاب ہوا۔ تو مخالف یا موافق جماعت میں آپ کو ابن خلدون ضرور نظر آئے گا۔ تعجب یہ ہے کہ اپنی ان تمام وعدہ خلافیوں، سازشوں، دھڑا بندیوں، سیاسی چال بازیوں اور ابن الوقتیوں کو اس نے خود اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے۔ گو وہ اپنی ان تمام حرکتوں

کے جواز میں دلیلیں بھی دیتا ہے لیکن اس نے اپنے اعمال پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔

شمالی افریقہ کے ان انقلابات سے سیر ہو کر ابن خلدون نے اسپین کے پایۂ تخت غرناطہ میں جانے کی ٹھانی۔ بدقسمتی سے اسپین کی اس بچی کھچی اسلامی سلطنت کا حال بھی شمالی افریقہ کی حکومتوں سے زیادہ بہتر نہ تھا۔ یہاں بھی آئے دن خوان خرابہ ہوتا۔ اور سازشوں کا بازار گرم رہتا اتفاق سے غرناطہ کا وزیر سلطنت ابن خلدون کا دوست اور ہم مشرب تھا۔ ابن الخطیب اپنے وقت کا بہت بڑا ادیب، شاعر عالم اور مدبر تھا۔ ابن خلدون جب افریقہ میں تھا تو ان دونوں کی آپس میں خط و کتابت رہتی تھی۔ ابن الخطیب اپنے دوست کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اسے شمالی اسپین کے عیسائی بادشاہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔

ابن خلدون نے سفارت کے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کئے۔ لیکن جب وہ واپس لوٹا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کا زیادہ دیر غرناطہ میں رہنا مشکل ہے۔ اسی زمانہ میں شمالی افریقہ کے ایک حکمران کا اسے بلاوا آگیا۔ اور وہ اسپین کو الوداع کہہ کر پھر وطن لوٹ آیا۔

شمالی افریقہ میں واپس آکر ابن خلدون پھر سازشوں میں الجھ گیا۔ اکثر ایسا ہوا کہ وہ ایک حکمران کا معتمد خاص ہے اس کے دشمن اس پر چڑھائی کر دیتے ہیں۔ اور جب شکست یقینی ہو جاتی ہے تو ابن خلدون اپنے آقا کا ساتھ چھوڑ کر حملہ آور سے مل جاتا ہے۔ اور اس کے ماتحت پہلے سے بڑا عہدہ قبول کر لیتا ہے۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ابن خلدون کی جان پر بن گئی۔ اور وہ مرتے مرتے بچا۔ لیکن اس کے باوجود ان سازشوں سے باز نہ آیا۔ ابن خلدون کی خطر پسند طبیعت ہر انقلاب کا استقبال کرتی تھی۔ اسے نہ اپنی جان کی پرواہ تھی۔ اور نہ کسی کی وفاداری یا اپنا قول و اقرار اسے مانع ہوتا۔ وہ بے دھڑک خطرات میں پڑتا۔ اور بڑی سے بڑی سازش میں شرکت کرتے اسے باک نہ ہوتا۔ آخر ہوتے ہوتے ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شمالی افریقہ کی ساری حکومتوں کے دروازے ابن خلدون پر بند ہو گئے ناچار اس نے ترک وطن کی ٹھانی۔ اور ایک بار پھر وہ غرناطہ چلا گیا۔ لیکن غرناطہ میں بھی اسے امن نہ ملا۔ اور اسے مراکش کے سلطان کے کہنے پر واپس شمالی افریقہ بھیج دیا گیا۔

آئے دن کے ان انقلابات سے ابن خلدون کی طبیعت اکتا گئی۔ اور اس نے سیاسی زندگی

سے کنارہ کش ہونے کا فیصلہ کیا۔ وہ اٹھارہ برس کا تھا کہ اس نے تیونس کے دربار میں مہر بردار کی حیثیت سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ چوبیس سال کی گردشوں کے بعد ابن خلدون نے ۱۳۷۵ء میں سیاست کو خیرباد کہا۔ اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔

وہ ۴ برس تک سیاسی جھگڑوں سے الگ اپنے ایک دوست قبیلہ بنو عارف کے پاس مقیم رہا۔ اس زمانے میں اسے مطالعہ کا خوب موقع ملا۔ اس کا شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ اسی عہد کی تصنیف ہے۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ میں نے یہ کتاب کل چار مہینے کے عرصہ میں مکمل کر لی تھی۔ مقدمہ کے بعد ابن خلدون نے تاریخ لکھنی شروع کی ابتدا میں اس کا خیال تھا کہ صرف عربوں اور شمالی افریقہ کے بربروں کے حالات لکھے۔ لیکن بعد میں اس نے ساری دنیا کی تاریخ لکھ دی۔

ابن خلدون چاہتا تھا کہ وہ اب کسی سیاسی جھگڑے میں نہ پڑے۔ لیکن شمالی افریقہ کے سیاسی حالات اسے آرام سے بیٹھنے نہیں دیتے تھے۔ تنگ آکر اس نے حج کا ارادہ کیا چنانچہ تیونس سے روانہ ہو کر وہ اسکندریہ پہنچا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ حجاز روانہ ہوتا اس نے قاہرہ کا قصد کیا۔

ابن خلدون کے قاہرہ پہنچنے سے پہلے وہاں کے اہل علم اس کے نام اور اس کے افکار سے واقف ہو چکے تھے۔ مصر کے علمی حلقوں میں اس کی آؤ بھگت ہوئی۔ اور زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اسے حکومت نے فقہ مالکی کا سب سے بڑا قاضی بنا دیا۔ سیاسی مخالفتوں نے ابن خلدون کو یہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ یہاں بھی اسے سازشوں اور دھڑا بندیوں سے پالا پڑا۔ چنانچہ کئی بار اسے قضائت کے عہدے سے برخاست کیا گیا۔ اور کئی بار پھر اس کا تقرر عمل میں آیا۔ مصر کے علماء کی ایک جماعت ابن خلدون کی دشمن بن گئی۔ اور اسے بدنام کرنے اور اس کے خلاف الزامات لگانے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ابن خلدون غریب الوطن ہونے کے باوجود ان مخالفتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا۔

ابن خلدون کو مصر پہنچ کر قدرے اطمینان نصیب ہوا۔ تو اس نے تیونس سے اپنے بال بچوں اور سامان کو منگوا بھیجا۔ سمندر کا سفر تھا۔ راستہ میں وہ کشتی جس میں یہ قافلہ سوار تھا، ڈوب گئی۔ ابن خلدون کو اس کا صدمہ بڑا شاق ہوا۔ اہل و عیال کی اس حسرت ناک موت کا رنج ایک طرف اور مصر میں مخالفوں کی سازشیں دوسری طرف، ابن خلدون اس

زمانے کے حالات رقم کرتے لکھتا ہے۔ "میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو چکا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشۂ تنہائی میں پناہ لوں۔" لیکن ابن خلدون جیسی چنچل طبیعت کا آدمی اور مائل بہ سکون ہو۔ وہ آخری دم تک دشمنوں سے لڑتا رہا اسے بارہا منصب قضاء سے دست بردار ہونا پڑا۔ لیکن اس نے مطلق ہمت نہیں ہاری اور موت کے قریب جب اس کی عمر ۷۴ برس کے قریب تھی وہ قاضی بنتا ہے۔

شام کا ملک اس وقت مصر کے ماتحت تھا۔ خبر پہنچی کہ امیر تیمور دمشق کی طرف بڑھ رہا ہے مصر سے سلطان خود فوج لے کر تیمور کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ دوسرے علماء کے ساتھ ابن خلدون بھی سلطان کی رکاب میں تھا۔ شروع شروع میں مغلوں اور مصریوں کا پلّہ لڑائی میں برابر رہا۔ لیکن اسی دوران میں سلطان کو پتہ چلا کہ مصر میں اس کی غیر موجودگی میں بغاوت ہو گئی ہے۔ یہ سنتے ہی سلطان شہر کو خدا کے سپرد کر کے فوج لے کر واپس مصر کو چل دیا۔ علماء نے یہ حالت دیکھی تو یہ طے ہوا کہ صلح کی گفتگو کی جائے۔ اس واقعہ کو ابن خلدون کی زبان سے سنیے:

"میں نے سلطان کے جانے کا واقعہ سنا تو مجھے خیال ہوا کہ اب شہر والوں کی شامت آئے گی۔ میں نے علماء کو کہا کہ یا تو مجھے شہر کے دروازے سے باہر جانے دو۔ یا فصیل کے اوپر سے ٹوکری میں نیچے لٹکا دو۔ چنانچہ میں فصیل سے نیچے اترا۔ تو مجھے امیر تیمور کا بیٹا شاہ ملک ملا۔ اور وہ مجھے امیر کے پاس لے گیا۔ میں امیر کے خیمہ میں داخل ہوا۔ امیر کہنی پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اور اس کے سامنے کھانے کی طشتریاں رکھی جا رہی تھیں۔ میں امیر کے سامنے گیا تو احترام کے خیال سے جھکا۔ امیر نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اسے بوسہ دیا اور اس نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور پھر ایک ترجمان کے واسطے سے ہماری گفتگو شروع ہوئی۔"

ابن خلدون نے امیر تیمور سے طویل ملاقات کی اور امیر نے اس سے شمالی افریقہ کے متعلق بہت سی باتیں پوچھیں۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ میں نے امیر کے کہنے سے شمالی افریقہ کے حالات کتابی شکل میں قلمبند بھی کر دیئے۔ مورخ لکھتا ہے کہ امیر میری باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ اور مجھے ساتھ لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔

اس عمر میں ابن خلدون کا اتنی دشوار گزار مہم پر خود چل دینا واقعی اسی کا کام تھا۔

وہ شخص جو جوانی میں سیاسی دھڑا بندیوں میں پیش پیش رہا۔ اور جس نے ہر انقلاب کو لبیک کہا۔ بڑھاپے میں بھی اس میں اتنا دم باقی تھا کہ جب سب علماء و مشائخ دبنے بیٹھے تھے وہ امیر تیمور سے ملنے کے لئے جان پر کھیلنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابن خلدون کو قدرت سے خطر پسند طبیعت ملی تھی۔ وہ علم و فکر کی دنیا میں بھی اپنے لئے نئی راہ نکالتا تھا اور واقعات کی دنیا میں بھی سب سے الگ رہتا تھا۔

ابن خلدون پہلا شخص ہے جس نے تاریخ کو اجتماع اور ماحول کا قرار دیا۔ اس نے ثابت کیا کہ کسی قوم کا مزاج اس کی عادات اس کے اخلاق و عقائد اپنے گرد و پیش کے حالات سے بنتے اور بگڑتے ہیں۔ مثلاً وہ مصریوں کے متعلق لکھتا ہے کہ اہل مصر عیش و عشرت کے بڑے شوقین ہیں زندگی میں رنگ رلیاں ان کا مقصد ہے اور اس میں وہ انجام کے متعلق پرواہ نہیں کرتے۔" ابن خلدون کے نزدیک اس کی وجہ مصر کی آب و ہوا ہے۔

ابن خلدون نے قوموں کے عروج و زوال کے بھی علمی اسباب دریافت کئے ہیں وہ لکھتا ہے کہ قوم کی پہلی منزل یہ ہوتی ہے کہ اس کے افراد مختلف گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ تہذیب و تمدن سے بہت کم مانوس ہوتے ہیں۔ ریوڑ چرا کر یا کوئی اور محنت طلب کام کر کے وہ روزی کماتے ہیں۔ اس منزل میں قوم کے افراد بڑے مشقت پسند اور توانا ہوتے ہیں۔ دوسری منزل میں ان میں کوئی بڑا آدمی پیدا ہوتا ہے جو مختلف گروہوں کو ایک کرتا ہے اور سب ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر فتوحات کو نکلتے ہیں۔ تیسری منزل میں فتوحات کی جگہ تہذیب و تمدن لے لیتا ہے۔ قوم کشور کشائیوں کو چھوڑ کر علم و فن کی فتوحات میں لگ جاتی ہے اس کے جسمانی قوائے کمزور پڑنے لگتے ہیں۔ اور ذہن کی ترقی پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ ہے قوم کے زوال کی ابتدا۔ چوتھی منزل میں یہ قوم مجبور ہو جاتی ہے کہ لڑائیوں کے لئے دوسروں کو بھرتی کرے۔ اور ان کی مدد سے اپنے دشمنوں سے محفوظ رہے۔ جب کوئی قوم اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے تو پھر وہ دن دور نہیں ہوتا کہ جن لوگوں کو لڑنے کے لئے وہ نوکر رکھتی ہے۔ وہی اس کے ہاتھ سے اقتدار چھین لیتے ہیں۔

ابن خلدون نے اپنے اس نظریہ کی تائید میں تاریخ سے بہت سی عملی مثالیں دی ہیں

اس نے اپنے مقدمہ میں مسلمانوں کی سیاست پر بھی بحث کی ہے۔ گذشتہ حکومتوں کے نظام سیاست کو پرکھا ہے۔ ان کی خوبیاں اور خامیاں بتائی ہیں اور معاشرت اور اجتماع کے بنیادی اصولوں کو جو زندگی میں موثر ہوتے ہیں واضح کیا ہے۔

ابن خلدون کے مقدمہ تاریخ کو یورپ کے اہل علم بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کا ترجمہ یورپ کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور بڑے بڑے عالموں نے اس مورخ کے آرا و افکار پر تنقیدیں بھی لکھی ہیں۔ یورپی اہل علم نے متفقہ فیصلہ کیا ہے کہ ابن خلدون پہلا شخص ہے جس نے تاریخ کے فلسفہ کی بنا ڈالی۔ بعض اسے علم الاجتماع کا بانی مانتے ہیں۔ ایک عالم لکھتا ہے کہ ابن خلدون بیک وقت مورخ فلسفی اور اجتماعی تھا۔ اس کے نظریوں نے تاریخ کے معموں کو حل کرنے کی کوشش کی۔ اور اس نے ایک ایسے علم کی بنا ڈالی، جس کو اس سے پہلے کوئی نہ جانتا تھا۔ اور نہ کوئی اس نے اپنا جانشین چھوڑا۔ جو اس کے افکار کو اور آگے لے جاتا۔ تا آنکہ یورپ میں نیا دور شروع ہوا۔ اور کہیں صدیوں بعد جاکر اہل فکر نے ابن خلدون کے فلسفہ معیشت، اجتماع اور سیاست کو پروان چڑھایا۔

ابن خلدون کے سیاسی نظریات ہی سے اس کی عظمت کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے وہ اپنے مسلم اور غیر مسلم پیشرو مفکرین سے گوئے سبقت لے گیا ہے اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سیاسیات کو اخلاق، کلام، اور فقہ سے جو اس زمانے تک باہم مخلوط تھے، بالکل الگ کر دیا، اور اس کو ایک مستقل علم کی حیثیت دی۔ ماوردی کے سیاسی افکار پر تمام تر فقہ کا رنگ غالب ہے۔ فارابی کے نزدیک سیاسیات فلسفہ کی ایک شاخ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ غزالی اس میں اور اخلاق میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ ابن خلدون ہی پہلا مفکر ہے جس نے سیاسیات پر کسی اور علم کو غالب نہیں ہونے دیا۔

(مسلمانوں کے سیاسی افکار از پروفیسر رشید احمد)